محمد جعفر شاہ پھلواروی

تحدیدِ نسل

فیملی پلاننگ یعنی خاندانی منصوبہ بندی کا ایک بہت اہم گوشہ ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کو روکنا ہے۔ اعتدال آبادی کے موضوع پر مختلف حیثیتوں سے گفتگو کی جاسکتی ہے۔ مثلاً صحتِ عامہ پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ دماغی توازن پر اس کے کیا اثرات ہوتے ہیں۔ بجٹ اس سے کس طرح متاثر ہوتا ہے۔ سوسائٹی اور اس کے اخلاق پر یہ کیا اثر ڈالتا ہے۔ یہ ساری باتیں ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں۔ کسی پہلو کو آپ ملکی اور سیاسی کہتے ہیں اور کسی کو معاشی و اقتصادی۔ کہیں طبی حیثیت ہوتی ہے اور کہیں معاشری۔ کہیں نفسیاتی نقطۂ نگاہ کی وضاحت ہوتی ہے اور کہیں اخلاقی زاویۂ نظر کی۔ لیکن یہ ساری بحثیں خواہ کسی پہلو سے کی جائیں سب کی سب دینی بحثیں ہیں۔

خیر عین دین ہے عقل، اخلاق، سیاست، معاشرہ، طب، معاشیات وغیرہ ساری چیزیں ایک ہی کُل کے مختلف اجزاء اور ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلو ہیں۔ اس لئے دینی حیثیت کو الگ مقام دے کر بحث کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ کوئی کام اگر عقل و حکمت کے مطابق ہے تو وہ بھی دینی ہے۔ اگر تقاضائے اخلاق کے مطابق ہے جب بھی دین ہے۔ اصلاح معاشرہ یا صحت عامہ سے متعلق ہے تو وہ بھی دین ہے۔ ملک و قوم کی بھلائی یا معاشی توازن کا قیام مقصود ہے تو وہ بھی دین ہے۔ طبی فائدہ اور سیاسی استحکام پیشِ نظر ہے تو وہ بھی دین ہے۔

انسانیت اور معاشرے کی بھلائی کے لئے جو کچھ بھی ہو اس کی حیثیت دینی ہی ہوگی۔ فرض کیجئے ایک شخص تجربہ و عقل سے یہ ثابت کرتا ہے کہ کثرتِ ولادت صحت اور معاش کے لئے نقصان رساں ہے تو آپ یہ بحث تو کر سکتے ہیں کہ تمہارا تجربہ اور عقلی استدلال غلط ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ یہ بحث طبی یا معاشی ہے لہٰذا دینی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر وہ گفتگو دینی گفتگو ہے جس کا تعلق انسانی معاشرے کی خیر سے ہو۔ خواہ وہ سیاسی ہو یا طبی، اخلاقی ہو یا معاشی عقلی ہو یا نقلی۔ اگر یہ بحثیں انسانیت کے لئے مفید ہوں، اور ان کی تجاویز نفع بخش ہوں، اور نیت و افکار کا رُخ صحیح ہو تو یہ اسلامی ہیں۔ ورنہ غیر اسلامی۔ مضر باتیں اگر قرآن و حدیث کو سامنے رکھ کر کی جائیں جب بھی اس کا شمار اسلام میں نہیں بلکہ جیسا خود قرآن کریم نے کہا ہے یہی قرآن سبب گمراہی بن جاتا ہے "یضل بہ کثیراً ویھدی بہ کثیراً" نتیجہ یہ نکلا کہ مضر چیزیں اگر قرآن کریم کے نام سے بھی اخذ کی جائیں تو وہ گمراہی ہے اور مفید باتیں اگر دوسرے فنون کو سامنے رکھ کر کی جائیں تو وہ عین اسلام ہے، عین دین ہے۔

قرآنی اصول یہ ہماری خوش نصیبی ہے کہ تحدیدِ نسل کے متعلق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں واضح ارشادات واشارات موجود ہیں اور ان سے ہم اپنے لئے خاصی روشنی حاصل کر سکتے ہیں۔

سب سے پہلے ایک قرآنی اصول سن لیجئے۔ قرآن کریم نے شراب اور جوئے کے ذکر میں فرمایا ہے "اثمھما اکبر من نفعھما" یعنی ان کی برائیاں ان کے نفع سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ گویا اس کے نفعے کا اقرار تو قرآن کرتا ہے لیکن ساتھ ہی اس کے ترک کی وجہ یہ بتاتا ہے کہ اس کے نقصانات اس کے فائدے پر غالب ہیں۔ یہ صرف خمر و قمار کی باتیں نہیں بلکہ یہ ایک اصول ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ جس شے میں خیر کا پہلو غالب ہو اسے اختیار کر لینا چاہئے۔ اور جہاں شر غالب ہو اسے ترک کر دینا چاہئے۔ دنیا کی ہر چیز میں خیر اور شر دونو ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ نے انسان کو عقل اس لئے دی ہے کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں موازنہ کرے کہ کس وقت کس بات میں شر اور کس میں خیر غالب ہے۔ اور یہ موازنہ کرتے ہوئے محض اپنے رجحان پر نظر نہ رکھے بلکہ زندگی کے زیادہ سے زیادہ گوشوں کو سامنے لاکر موازنہ کرے۔ یہ اس کا عقلی اور اخلاقی فرض ہے۔

دوسرا اصول قرآن کریم نے یہ دیا ہے کہ زندگی کے ہر معاملے میں توازن اور اعتدال کو قائم رکھا جائے۔ ارشاد ہے کہ "الا تطغوا فی المیزان" میزان میں کسی ایک پلڑے کو جھکا نہ دو۔ "واذا حکمت فاحکم بینھم بالقسط" جب فیصلہ کرو تو قسط اور اعتدال کو پیش نظر رکھو۔ اس طرح کی بے شمار آیات ہیں۔ اور ان کا تعلق محض ناپ تول سے نہیں بلکہ زندگی کے سارے معاملات سے ہے۔ توازن اور اعتدال کا مطلب یہ ہے کہ افراط اور تفریط سے احتراز کیا جائے۔ قرآن کریم دینِ فطرت پیش کرتا ہے اور اعتدال و توازن بھی فطرت ہی کا تقاضا ہے۔ اپنی روزمرہ کی زندگی میں بھی ہم اس کے مطابق چلنے پر مجبور ہیں۔ کھانے میں نمک نہ ہو تو منہ بناتے ہیں اور زیادہ ہو جائے تب بھی چیں بہ جبیں ہو جاتے ہیں۔ سردی میں دھوپ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہوتی ہے۔ لیکن جب یہی دھوپ جب ذرا تیز ہو جائے تو سائے میں بھاگتے ہیں۔ پانی خدا تعالیٰ کی اعلیٰ ترین نعمت ہے اور دریاؤں کی شکل میں اس کی یہ نعمت ہماری پیداوار کا سب سے بڑا ذریعہ ہے لیکن جب افراطِ آب سیلاب کی شکل اختیار کرتی ہے تو اسے روکنے کے لئے بند باندھتے ہیں۔ کیا اسی نقطۂ نظر سے اپنے ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی کو دیکھنا دین کے خلاف ہوگا؟ بلاشبہ اولاد خدا تعالیٰ کی سب سے بڑی رحمت ہے لیکن یہ رحمت اگر سیلاب کی سی صورت اختیار کرنے لگے تو کیا اس کے لئے بند باندھنا کوئی دینی جرم قرار پائے گا؟

معترضین کا غلط استدلال ہمارے بعض اربابِ شریعت تحدیدِ نسل کی تمام صورتوں کو قتلِ اولاد قرار دیتے ہیں اور جھٹ قرآن کریم کی یہ آیت پڑھ دیتے ہیں: "لا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم" اپنی اولاد کو ناداری کے خوف سے قتل نہ کرو ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی لیکن

سوال یہ ہے کہ کیا جو ہر انسانی کے جراثیم کو ضائع کرنا قتلِ اولاد میں داخل ہے۔ کیا ایک گٹھلی کو برباد کرنے والے پر ہم وہی تاوان لگا سکتے ہیں جو ایک درخت کے کاٹنے والے پر لگا دیتے ہیں۔ ہر گٹھلی درخت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے پھر اس سے نئے نئے درخت پیدا ہو سکتے ہیں۔ لیکن گٹھلی کا ضائع کرنے والا باغ کو برباد کرنے والا نہیں کہا جا سکتا۔ اسی طرح اولاد صرف وہی ہے جو جیتی جاگتی شکل میں پیدا ہو جائے۔ اسے قتل کرنا یقیناً ایک بدترین جرم ہے آیت قرآنی میں اسی کی ممانعت ہے۔ نہ کہ مادۂ تولید کو ضائع کرنے کی۔ پھر ہر شخص جانتا ہے کہ ہر وظیفۂ جنسی کئی ارب جراثیمِ زندگی (sperms) کو باہر لے آتا ہے اور ان میں سے فقط ایک کو قدرت اولاد بننے کے لئے منتخب کر لیتی ہے۔ تو کیا ایسی صورت میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان جان بوجھ کر ایک عدد اولاد کی خاطر کئی ارب اولاد کو قتل کر دیتا ہے۔ مادۂ تولید کی اضاعت کو اولاد کا خون قرار دینا ایسی ہی شاعری ہے جیسے :

مگس کو باغ میں جانے نہ دینا   کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

سچ پوچھئے تو اولاد کا خون اس وقت ہوتا ہے جب اولاد پر اولاد پیدا کئے جائیں۔ اور انہیں جسمانی و روحانی حیثیت سے زندہ رکھنے کا کوئی سامان نہ کیا جائے۔

رہا یہ فرمان الٰہی کہ "تم کو اور تمہاری اولاد کو ہم ہی رزق دیتے ہیں" تو اس کا مطلب ترک تدبیر نہیں۔ قرآن کریم میں تو یہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ ہی موت و زندگی دیتا ہے۔ تو کیا موت سے بچنے اور زندگی کو برقرار رکھنے کی کوئی فکر نہ کرنی چاہیئے۔ رزق دینے کا مطلب یہ ہے کہ حصول رزق کی احسن تدبیر کرو گے تو رزق ملے گا۔ اگر بے عقلی سے کام لوگے تو روزی تنگ کر دی جائے گی۔ ضبطِ تولید بھی ایک تدبیر ہے اور یہ توکل کے خلاف نہیں۔ بلکہ توکّل ہی سے وابستہ ہے۔

مردم شماری کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کی آبادی میں ہر سال دس لاکھ نفوس کا اضافہ ہو رہا ہے" اور حال یہ ہے کہ جو نفوس پہلے سے موجود ہیں ان کی زندگی کا پورا سامان نہیں۔ ایک ایک کمرے میں پندرہ پندرہ آدمی رہتے ہیں۔ جس کا بیشتر نتیجہ تپ دق کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ پیٹ بھرنے اور تن ڈھانکنے کا کوئی خاطر خواہ بندوبست نہیں۔ تعلیم کا کوئی انتظام نہیں بلکہ کہنے دیجیئے کہ دوسری ضروریاتِ زندگی کی طرح تعلیم کا بھی بلیک ہو رہا ہے۔ صحت عامہ کا یہ حال ہے کہ وہ اسپتال نہیں جا سکتے۔ کیونکہ ان کا گھر خود ہی اسپتال بنا ہوتا ہے۔ اگر وہ علاج میں صرف کریں تو کھانے پینے کے لئے کچھ نہیں بچتا۔ دو بچّوں کی تعلیم میں آدھی سے زیادہ تنخواہ ختم ہو جاتی ہے۔ پھر اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ ناداری اور بیماری ان نونہالوں کے دماغ کو مفلس اور اخلاق کو بیمار کر دیتی ہے۔ وہ دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اور کچھ نہ ملے تو چوری کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ ان حالات میں خواہ مخواہ اضافۂ اُمت کئے جانا کونسی نیکی اور کونسا کارِ ثواب ہے۔ ایک دو ایسے

افراد پیدا کرنا جو معاشرے کے لئے ہر لحاظ سے قابلِ فخر ہوں ایسے دس بیس افراد پیدا کرنے سے کہیں بہتر ہے جو ملت کے لئے رسوا کن اور اُمت پر بوجھ ہوں۔

ضبطِ ولادت کسی طرح بھی قتلِ اولاد کی صف میں نہیں آسکتا اس لئے کہ عہدِ نبوت میں اس کی بہت سی نظیریں ملتی ہیں۔ کہ:

۱۔ حضرت جابر سے صحیح بخاری میں یہ روایت ہے کہ کنا نعزل علیٰ عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم والقرآن ینزل۔ یعنی ہم عہدِ نبوت میں عزل کیا کرتے تھے۔ اور قرآنِ کریم نازل ہو رہا تھا۔ (یعنی یہ عمل ناجائز ہوتا تو قرآنِ کریم میں یقیناً اس کی ممانعت نازل ہوتی)

(۲) مسلم کی روایت میں ہے کہ کنا نعزل علیٰ عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فبلغہ ذلک فلم ینھنا یعنی ہم عہدِ رسالت میں عزل کیا کرتے تھے حضور کو یہ اطلاع ملی بھی مگر اس سے منع نہ فرمایا۔

(۳) ایک روایت ابوسعید خدری سے بھی صحیح بخاری میں ہے۔ کہ جب حضور کو لوگوں کے عزل کرنے کی اطلاع ملی تو بڑے تعجب کا اظہار فرمایا اور کہا کہ "ما من نسمۃ کائنۃ الی یوم القیامۃ الا ھی کائنۃ۔ یعنی جو روح آنے والی ہے وہ آکر ہی رہے گی۔

اس میں اس حقیقت کا اظہار تو ہے کہ آنے والی جان آکر رہتی ہے لیکن اس کا کوئی ذکر نہیں کہ حضورؐ نے عزل کی ممانعت فرمائی ہو۔ اگر یہ ناجائز ہوتا تو اس کے لئے سیدھا طریقۂ گفتگو یہی تھا کہ ایسا مت کیا کرو۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کسی موقعے پر بھی حضور نے اس کی ممانعت نہ فرمائی۔ اور قرآن کریم کے بھیجنے والے علام الغیوب نے بھی خاموشی اختیار فرمائی۔

یہ واضح رہے کہ یہ تمام روایات اس وقت کی ہیں جب کہ اُمت کو کثرتِ آبادی کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی اور اسی کے پیشِ نظر حضور نے فرمایا تھا: "تناکحوا تکاثروا" یعنی نکاح کرو اور اپنی آبادی بڑھاؤ۔ ذرا سوچئے کہ جب قلتِ آبادی کی حالت میں بھی حضور نے عزل کو ناجائز نہ قرار دیا تو کثرتِ آبادی میں یہ کیوں ناجائز قرار پائے گا۔ رہا آنے والی روح کا معاملہ تو وہ تو ناجائز روح بھی آکر ہی رہتی ہے۔ تو کیا اسے بھی آنے دینا چاہئے؟

امام شافعی کی تفسیر پچھلے دنوں مسٹر ہیلٹن گب سے ایک موقعے پر دورانِ گفتگو میں فیملی پلاننگ کا بھی ذکر آگیا۔ انہوں نے پوچھا کہ "ذلک ادنی الا تعولوا" کی تفسیر امام شافعی نے کیا کی ہے؟ (اوپر کا مضمون یہ ہے کہ اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم کئی بیویوں میں عدل نہ کر سکو گے تو ایک ہی آزاد یا لونڈی پر قناعت کرو۔ کیونکہ یہ "عدم عول" سے قریب تو ہے۔ اور مسٹر گب کا سوال یہ تھا کہ عدم عول کی تفسیر امام شافعیؒ

نے کیا کی ہے۔ میں نے جواب میں کہا کہ امام شافعی "الا تعولوا" کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ "تاکہ تم کثیر العیال نہ ہو جاؤ" یعنی ایک ہی بیوی پر قناعت کرنے میں یہ مصلحت ہے کہ تم کثرتِ اولاد کی مصیبت سے بچ جاؤ گے۔ مسٹر گب نے کہا کہ اس تفسیر میں کثرت آبادی پر کنٹرول کرنے کا پہلو موجود ہے۔ میں نے ان کی تصدیق کی۔

امام شافعی کی اس تفسیر کے ساتھ ایک حدیث کو بھی ملائیے۔ حضور اکثر یہ دعا فرمایا کرتے تھے کہ میں فلاں فلاں چیزوں سے اور "جہد البلاء" سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ صحابۂ کرام نے اس لفظ کا مطلب پوچھا تو حضورؐ نے فرمایا کہ "قلۃ المال وکثرۃ العیال" یعنی اولاد کی ایسی کثرت کہ اس کے لئے سامانِ زیست کی کمی ہو ایک ایسی مصیبت ہے کہ اس سے پناہ ہی مانگنی چاہیئے۔

اب ذرا سوچئے کہ آپ کے ملک کے حالات کیا ہیں؟ اس میں آبادی اور وسائل زندگی کا کیا تناسب ہے؟ وسائل زندگی میں صرف روٹی ہی نہیں، کپڑا، دوا علاج، تعلیم تربیت اور سر چھپانے کی جگہ وغیرہ سارے سامانِ معیشت اور وسائل معاش اس میں داخل ہیں۔ اگر ان وسائل کی کمی اور آبادی میں بے پناہ کثرت کی وجہ سے توازن بگڑ رہا ہو تو یقین کیجئے کہ اس کثرت آبادی پر وہی قرآنی اصول صادق آئے گا جو ہم شروع میں بتا چکے ہیں کہ "اثمہما اکبر من نفعہما" یہ کثرتِ آبادی زندگی کا ایک ایسا موڑ ہے جو توازن بگڑنے کی وجہ سے رحمت کی بجائے زحمت ہو رہا ہے اور اس کا شر اس کی خیر پر غالب آچکا ہے۔ بلکہ اس پر وہ اصول بھی صادق آتا ہے جسے ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ کہ زندگی کے تمام معاملات میں اعتدال و توازن کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔ آبادی اور معاش دراصل ایک میزان کے دو پلڑے ہیں۔ اگر ان دونوں میں اعتدال نہ رہے تو اس کا علاج یہ ہے کہ منفی اور مثبت دونوں طریقے اختیار کئے جائیں۔ یعنی جھکنے والے پلڑے کا وزن کم کیا جائے۔ اور اٹھنے والے پلڑے میں مزید وزن ڈال دیا جائے۔

موجودہ خرابیاں اور ان کا علاج اسے اور زیادہ واضح لفظوں میں یوں سمجھئے کہ ہمارے موجودہ معاشرے کو تباہی سے بچانے کے لئے صرف اسی قدر کافی نہیں کہ تحدید نسل یا برتھ کنٹرول پر عمل کیا جائے۔ بلکہ ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ موجودہ آبادی کے لئے بھرپور وسائلِ حیات مہیا کئے جائیں۔ بلاشبہ ضبطِ ولادت قتل اولاد نہیں۔ لیکن زندہ انسانوں کے لئے سامانِ زیست مہیا نہ کرنا انسانوں کو قتل کرنے کا ہم معنی ہے۔ گویا ہمارے ذمے دو کام ہیں۔ ایک منفی اور دوسرا مثبت۔ منفی یہ ہے کہ معاشی وسائل کے تناسب کے مطابق آبادی کو رکھا جائے۔ اور مثبت کام یہ ہے کہ جو آبادی زندہ انسانوں کی شکل میں موجود ہے اس کو زندہ رکھنے کے لئے بافراط وسائل مہیا کئے جائیں۔ ان دونوں باتوں کے لئے ہمارے ذہن میں جو تجویزیں آتی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱) تعدد ازدواج پر قرآنی پابندی لگائی جائے۔ قرآن کریم نے تعدد ازدواج کے لئے جو شرطیں رکھی ہیں وہ یہ ہیں کہ اولاً تو یتامیٰ اور ایامیٰ کی کفالت کا مسئلہ ایک پرابلم بن گیا ہے۔ (وان خفتم الا تقسطوا فی الیتامیٰ) ثانیاً

عدل ہو۔ (فان خفتم الا تعدلوا فواحدة) ثالثاً ان کی معاشی کفالت کا پورا بندوبست ہو۔ اگر کفالت کا سامان نہ ہو تو ایک ازدواج بھی نہ کرنا چاہئے۔ چہ جائیکہ متعدد (ومن کان فقیراً فلیستعفف) اور رابعاً جنسی شکایت کا موقع نہ دیا جائے کیونکہ اس صورت میں فتذروھا کالمعلقة کی سی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔

ہم نے یہ خبر خوشی کے ساتھ پڑھی بعض اسلامی ممالک نے بھی یہ قانون نافذ کر دیا ہے۔ مثلاً طیونس نے۔

(۲) تعدد ازدواج پر پابندی لگانے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو ایسے عصری طریقوں کی بھی تعلیم دینی چاہئے، جس سے تحدید نسل پر خاطر خواہ عمل درآمد ہو سکے اور اس کے لئے ضروری سامان بھی مہیا کرنے چاہئیں۔

ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ضبطِ تولید کی تعلیم جتنی ضروری ہے اس سے کہیں زیادہ ضروری ضبطِ نفس کی تربیت ہے۔ اور اس کی طرف بھی دھیان دینا چاہئے۔

یہاں تک تو منفی تجویزیں تھیں تاکہ آبادی میں مزید اضافہ نہ ہو۔ ان تجویزوں کے بغیر محض تحدید نسل کے کوئی معنی نہیں۔ اب وہ تجویزیں بھی سن لیجئے جن کا تعلق زندوں کے لئے وسائل زندگی مہیا کرنے سے ہے۔ وہ تجویزیں یہ ہیں:

۱۔ پیداوار بڑھانے کے جتنے سائنٹیفک طریقے ممکن ہوں ان کو جلد رائج کرنا چاہئے۔ مجھ سے سابق وزیر اعظم مسٹر محمد علی نے ایک موقعے پر کہا تھا کہ اگر اضافۂ پیداوار کی طرف بہت جلد توجہ نہ کی گئی تو خطرہ ہے کہ چند سالوں میں ہمارے ملک کا دیوالہ نکل جائے گا۔ ہم دوسرے ممالک کی امداد پر کب تک اعتماد کر سکتے ہیں۔ اور کب تک اپنی خودداری کو ٹھیس پہنچاتے رہیں گے؟ مسٹر محمد علی نے بات غلط نہیں کہی۔ لیکن یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ محض پیداوار بڑھانے سے کام نہیں چلے گا جب تک اہلِ ملک کو اس سے مستفید ہونے کا موقع بھی نہ ملے۔ لہذا ضروری ہے کہ

۲۔ ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کو موت کے سوا اور کوئی سزا نہ دی جائے۔ آپ میری اس تجویز پر ہنسیں گے لیکن واضح رہے کہ حضور نے احتکار کرنے والوں کو قاتلین کی صف میں رکھا ہے۔ ارشاد ہے کہ یحشر الحاکرون وقتلة الانفس فی درجة" (رواہ رزین عن ابی ہریرہ و معقل ابن یسار) اس لئے ایسے قاتلین کو قتل ہی کر دینا چاہئے۔

۳۔ اسمگلنگ کرنے والوں کو بھی عبرتناک سزائیں حتیٰ کہ موت تک کی سزا دی جائے۔ اسمگلر سے میری مراد وہ مزدور نہیں جو غلہ وغیرہ لاد کر سرحد کے پار پہنچا دیتے ہیں۔ بلکہ اس سے مراد ذخیرہ اندوز ہیں جو ان مزدوروں کی غربت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی پشت پر غلہ اور دوسری چیزیں لاد کر باہر بھیج دیتے ہیں۔ صرف پیداوار بڑھانے سے کچھ نہ ہوگا، جب تک پیداوار کو ملک کے اندر روک کر پھیلایا نہ جائے۔

۴۔ تمام ضروریاتِ زندگی کی بے پناہ چڑھتی ہوئی قیمتوں کو اعتدال پر لایا جائے تاکہ ایک غریب آدمی

بھی ان سے مستفید ہو سکے۔

۵۔ بے روزگاروں کی روزی کا سامان کیا جائے۔

۶۔ غیر ضروری ٹیکسوں کو ہٹا کر ایک ضروری ٹیکس "بے روزگاری کا ٹیکس" کے نام سے تمام بڑے بڑے دولت مندوں پر لگایا جائے۔ جب موت ٹیکس اور مہاجر ٹیکس لگائے جا سکتے ہیں تو بے روزگاری کا ٹیکس کیوں نہ لگایا جائے۔ اس ٹیکس سے صرف غریبوں اور بے روزگاروں کی امداد کی جائے۔ مگر وظائف دے کر نہیں بلکہ ان کو کام میں لگا کر۔

۷۔ ان ہی دولت مندوں سے ایک اور "ٹیکس" معذوروں کے ٹیکس" کے نام سے بھی لیا جائے اور اس سے صرف ان لوگوں کی امداد کی جائے جو کوئی محنت کرنے کے قابل نہ ہوں۔

یہ ہیں وہ چند تجویزیں جو زندوں کو زندہ رکھنے کے لئے انتہائی ضروری ہیں۔ اگر یہ نہ کیا گیا تو صرف برتھ کنٹرول اور تحدید نسل کے منفی عمل سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلے گا اور ملک اس بحران سے نہ نکل سکے گا جس سے وہ آج بُری طرح دوچار ہے۔

اخلاق و معاش کا ربط

یہ خوب یاد رکھئے کہ اسلام کی ساری تعلیم جس محور کے گرد گردش کرتی ہے وہ اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ ہے۔ اقامت صلوٰۃ کا مقصد اخلاقی اقدار کا قیام ہے۔ (ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر) اور ایتائے زکوٰۃ کا مقصد معاشی ہمواری پیدا کرنا ہے۔ اسلام کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ ایک طبقہ ہمیشہ بھیک مانگنے والا محتاج رہے اور دوسرا طبقہ اسے خیرات دے دے کر ثواب دارین حاصل کرتا رہے۔ اسلام کا مقصد تو یہ ہے کہ دنیا سے محتاجی دور ہو جائے اور دینے والے اور لینے والے کی تفریق ختم ہو جائے۔ غرض اخلاقی اقدار اور معاشی ہمواری یہی دو چیزیں ہیں جن کے محور پر تمام اسلامی تعلیمات گھومتی ہیں۔ حیوانی ضرورت معاش ہے اور انسانی ضرورت اخلاق بلند۔ لیکن ان دونوں میں کچھ ایسا چولی دامن کا ساتھ ہے کہ ایک کے بغیر دوسرا باقی ہی نہیں رہ سکتا۔ اگر ہم اخلاقی حالت کو درست کرنا چاہتے ہیں تو معاشی سہارے کے بغیر یہ عمارت نہیں کھڑی رہ سکتی : شب چو عقد نماز بر بندم ؛ چہ خورد بامداد فرزندم

قوم کو صرف اخلاقی درس اور وہ بھی یکطرفہ درس دینا بیکار ہے۔ اسے پہلے اپنے وجود کو باقی رکھنے کے لئے معاشی سہارا بھی چاہیئے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے نہ کلمہ پڑھایا جاتا ہے نہ نماز روزہ سکھایا جاتا ہے۔ بلکہ پہلے اسے دودھ دیا جاتا ہے۔ ہماری مملکت پاکستان بھی اس وقت نوزائیدہ بچہ ہے اسے پہلے معاشی سہارا دیجئے اس کے بعد اخلاقی وعظ فرمائیے۔ پہلے زندوں کے لئے جینے کا موقع مہیا کیجئے۔ اسی کے لئے ہم نے یہ دو تجویزیں پیش کی ہیں۔ منفی تجویز یہ ہے کہ اضافۂ آبادی کو روکئے اور مثبت تجویز یہ ہے کہ زندوں کے لئے وسائل زندگی مہیا کیجئے!